روئے سخن اس طرف پھرتے ہی ایسے لوگوں پر سخت تعجب کیا جاتا ہے ' ان لوگوں کو سخت ڈرایا جاتا ہے کہ وہ ذرا سوچیں کہ شیطان انہیں کس طرف لے جا رہا ہے۔ یہاں ایسے لوگوں کا حال بتایا جاتا ہے کہ جب انہیں اسلامی قانون کو نافذ کرنے اور اس کے مطابق فیصلے کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ نہایت ہی منافقانہ روش کے مطابق اسے روکنے کی سعی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی روش کو روش نفاق بتاتے ہیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ شیطانی قانون کے مطابق فیصلے کرانے کا ارادہ کرتے ہی انسان ایمان سے فارغ ہو جاتا ہے بلکہ یہ لوگ ابتداء ایمان میں داخل ہی تصور نہیں ہوتے۔ یہاں یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ ان کے عذرات کس قدر بورے ہیں اور کس قدر واہیات اور جھوٹے ہیں اور ان کا یہ منصوبہ نہایت ہی قابل نکیر و مذمت ہے اور اس کے نتیجے میں ان پر وبال آنے ہی والا ہے۔ اس کے باوجود حضورؐ کو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ آپ دعوت و موعظت جاری رکھیں۔ پھر بات کو اس پر ختم کیا جاتا ہے کہ رسولوں کو بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اس کے بعد صریح اور قطعی الفاظ میں ' ایک بار پھر ایمان کی شرط اور اسلام کی تعریف (Diffinition) بیان کی جاتی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ
وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾
فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ
بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا
فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا
بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ
إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

"اے نبیؐ تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں' مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں' حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ اس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے ..... اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ ان سے تعرض مت کرو' انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔ (انہیں بتاؤ کہ) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے' اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا' تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ نہیں' اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں' پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں' بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔"

بعض لوگوں کی یہ تصویر جو ان آیات میں کھینچی گئی ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ہجرت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی تھیں۔ اس دور میں جس میں نفاق کا بہت زور تھا اور یہودی منافقین کے ساتھ مل کر ایک زور آور قوت تھے۔

یہ لوگ جو یہ ارادہ رکھتے تھے کہ قانونی فیصلے طاغوت کے مطابق ہوں' یہ لوگ منافقین تھے جیسا کہ آیات کے اس مجموعے کی دوسری آیت میں اس کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ ان سے مراد یہودی بھی ہو سکتے ہیں اس لئے کہ جب ان کو یہ دعوت دی جاتی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرانا تسلیم کریں تو وہ انکار کر دیتے تھے اور اس بات کی خواہش رکھتے تھے کہ اس قانون کے مطابق فیصلے کرائیں جو دور جاہلیت میں رائج تھا۔ (اس لئے کہ یہودیوں کے آپس کے فیصلے تورات کے مطابق ہوتے تھے۔ یہاں کتاب سے تورات مراد ہو گا اور بعض اوقات یہودیوں کے فیصلے بھی رسول اللہؐ کرتے جیسا کہ بعض فیصلوں سے معلوم ہوتا ہے) لیکن یہاں صرف پہلی صورت ہی مراد ہے یعنی کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ

آیت۔ (یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (۴ : ۶۰)) (جن کا زعم یہ ہے کہ وہ ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اس پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی ہے) لہٰذا یہاں مراد منافقین ہی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ یہودیوں نے کبھی اپنے اس زعم کا اظہار نہیں کیا کہ وہ رسول ؐ خدا پر نازل کردہ کلام کو مانتے ہیں۔ یہ اظہار منافقین ہی کرتے تھے کہ وہ نبی ؐ اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان لائے ہیں۔ یعنی ایسا ایمان جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہم تمام رسل پر ایمان لاتے ہیں۔

اور یہ بات صرف ہجرت کے ابتدائی ایام ہی میں ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے کہ بنی قریظہ اور خیبر میں یہودیوں کی قوت کو توڑ دیا جائے اور قبل اس کے کہ یہودیوں کی قوت کو توڑنے سے خود منافقین کی قوت بھی ٹوٹ جائے۔

بہرحال ان آیات میں ہمیں شرائط ایمان کی ایک قطعی 'مکمل اور جامع مانع شرط اور اسلام کی مکمل تعریف مل جاتی ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ شہادت مل جاتی ہے کہ جو لوگ طاغوت کے مطابق فیصلہ کرنے کا ارادہ بھی کریں' وہ مومن نہیں ہیں' اس لئے کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔ (وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ) اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس مجموعہ آیات میں ہمیں ایک حلفیہ بیان ملتا ہے اور ذات باری خود اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں کہ یہ لوگ اس وقت تک ایمان میں داخل نہیں ہو سکتے اور اس وقت تک مومن شمار نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ رسول اللہ ؐ کو اپنے مقدمات کے اندر حکم نہ بنائیں اور پھر آپ ؐ کے حکم کی اطاعت نہ کریں' آپ کے فیصلے کو نافذ نہ کریں اور یہ اطاعت کامل تسلیم و رضا کے ساتھ نہ ہو اور دل کی خوشی کے ساتھ نہ ہو یعنی ایسی حالت میں تسلیم کرنا کہ اس میں عجز و اضطرار نہ ہو بلکہ مکمل اطمینان و رضا ہو۔

(اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (۴ : ۶۰))

"اے نبی ؐ تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں' مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں' حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔"

کیا آپ نے ایسی عجیب و غریب قوم کے لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا زعم یہ ہے کہ وہ مومن ہیں اور پھر وہ آن واحد میں اپنے اس زعم کو باطل قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ (یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (۴ : ۶۰)) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے ہیں جو تیری طرف نازل ہوئی ہے اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس دعوی ایمان کے بعد وہ اپنے فیصلے اس کتاب کے مطابق نہیں کراتے جو آپ پر

نازل ہوئی ہے ' نہ وہ اس کتاب کے مطابق فیصلے کراتے ہیں جو تم سے پہلے نازل ہوئی اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی اور چیز کے مطابق فیصلے کرائیں 'کسی اور نظام کے مطابق فیصلے کرائیں - کسی اور حکم کے مطابق فیصلے کرائیں -بلکہ وہ یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ طاغوت کے مطابق فیصلے کرائیں اور طاغوت وہ ہے جو اس کتاب سے ماخوذ نہ ہو جو آپ کی طرف نازل ہوئی یا اس کتاب سے ماخوذ نہ ہو جو آپ سے پہلے نازل ہوئی اور اس کا ضابطہ اور معیار تم پر نازل کردہ کتاب یا کتب سابقہ سے اخذ نہ ہو - یہی وجہ ہے کہ طاغوت ' طاغوت ہے اور طاغوت اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے خاصہ حاکمیت اور تشریع کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ طاغوت اس لئے ہے کہ وہ کسی مستقل معیار پر قائم نہیں ہے - یہ لوگ محض جہالت کی وجہ سے یہ حرکت نہیں کرتے نہ کسی شبہ کی بناپر کرتے ہیں - وہ اچھی طرح جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں حالانکہ اس طاغوت کے پاس اپنے فیصلے لے جانا حرام ہے - (وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ (۴ : ۶۰))

ان کو حکم تو یہ دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کر دیں - یہ لوگ جہالت یا شبہ کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے -بلکہ یہ لوگ قصداً ایسا کرتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ یہ گمان درست نہیں ہے ' یہ زعم درست نہیں ہے کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے ہیں اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں - یہ تو شیطان ہے جو ان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے ' اس طرح کہ وہ اس سے باز نہ آسکیں -

(وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (۴ : ۶۰)) (اور شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے) یہ وہ خفیہ سبب ہے جس کی وجہ سے وہ لوگ طاغوت کے مطابق فیصلہ کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہی وہ داعیہ ہے جو ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ایمان کی حدود اور ایمان کی شرائط سے نکل جائیں اور ارادہ کرلیں کہ وہ طاغوت کے مطابق فیصلے کرائیں گے - یہی وہ سبب ہے جس کا اللہ تعالیٰ انکشاف فرماتے ہیں تاکہ وہ اپنے اس ارادے سے باز آجائیں - اور جماعت مسلمہ کو بھی بتایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی پشت پر کون ہے؟ اور اس کا اصل محرک کیا ہے؟

اب آگے کے مضمون میں وہ حالات بتائے جاتے ہیں جب ایسے لوگوں کو اس طرف بلایا جاتا ہے کہ آؤ اس قانون کی طرف جو اللہ نے حضرت محمدؐ کی طرف نازل کیا ہے یا اس قانون کی طرف جو آپؐ سے پہلے نازل ہوا ہے ' تو یہ لوگ جو زعم ایمان رکھتے ہیں ' کہتے ہیں -

(وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (۴ : ۶۱)) "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں -"

سبحان اللہ ' نفاق خود اپنے آپ کو آشکارا کر رہا ہے - وہ اس بات پر تلا ہوا ہے کہ فطری سوچ کی واضح ترین باتوں کا بھی انکار کر دے - ایسا نہ ہوتا تو وہ نفاق کی صورت حال نہ ہوتی -

ایمان کا فطری اور واضح تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان اس قانون کے مطابق اپنے فیصلے کرے جس پر اس کا ایمان ہے

اور اپنے فیصلے اس عدالت میں لے جائے جس پر وہ ایمان لایا ہو۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لایا ہے اور جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر بھی ایمان لایا ہے' رسول پر ایمان لایا ہے اور جو کچھ اس پر نازل ہوا ہے اس پر بھی ایمان لایا ہے' پھر ایسے شخص کو اگر بلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے اس حکم اور قانون کے مطابق کرائے جس پر وہ ایمان لایا ہے تو اس دعوت کا بدیہی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ اس کو تسلیم کرے اور یہی تقاضائے فطرت ہے۔ لیکن اگر وہ انکار کرتا ہے اور اس راہ پر آنے سے لوگوں کو روکتا ہے تو وہ بالکل ایک واضح' فطری اور بدیہی امر سے انکار کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ منافق ہے اور اس نے جو دعوائے ایمان کیا ہے' وہ جھوٹا ہے۔

یہی وہ فطری اور بدیہی صورت حال ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں ہے جو دعوائے ایمان کرتے ہیں اور پھر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے بلکہ ان کو کوئی بلائے بھی تو اس طرح فیصلے کرانے سے کتراتے ہیں۔

اس کے بعد ان کے طرز عمل سے ایک اور منافقانہ چال کو ظاہر کیا جاتا ہے' کہ جب ایسے لوگ کسی مشکل میں پڑتے ہیں یا ان کی غلط پالیسی کی وجہ سے کوئی حادثہ ہو جاتا ہے (اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی حاکمیت کی طرف نہیں آتے یا اس وجہ سے کہ وہ طاغوت کے مطابق کوئی فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اور اس وجہ سے ان کی پوزیشن خراب ہو جاتی ہے) تو پھر یہ لوگ اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے عذرہائے لنگ سے کام لیتے ہیں۔

(فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا (٤ : ٦٢)) "پھر اس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ اس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔

یہ لوگ مصیبت میں یوں پڑ جاتے تھے کہ بعض سے لوگوں کے مجمع میں ان کا راز کھل جاتا تھا۔ اور اسلامی معاشرہ میں ان کا مقاطعہ ہو جاتا تھا' یا اسلامی معاشرے میں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس طرح یہ لوگ بڑی مشکل میں پھنس جاتے تھے' اس لئے کہ اسلامی معاشرہ ایسے لوگوں کو دیکھ ہی نہ سکتا تھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہوں کہ وہ اللہ اور اس کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ اور اس پر نازل شدہ کلام پر ایمان لائے ہیں اور پھر وہ اللہ کے قانون کے سوا کسی اور قانون پر فیصلے کراتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو ان معاشروں میں قبولیت حاصل ہوتی ہے جو نہ مومن ہوتے ہیں اور نہ مسلم۔ اور جو اس قسم کے لوگوں کی طرح نام نہاد مسلمان ہوتے ہیں اور ان کا اسلام اور ایمان صرف دعوے اور نام تک محدود ہوتا ہے۔

بعض اوقات وہ مصیبت میں یوں پڑتے ہیں کہ وہ طاغوتی عدالت میں جاتے ہیں اور ان پر ظلم ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہاں اللہ کے قانون کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلے کر دیئے جاتے ہیں۔ اب انہیں شرمندگی ہوتی ہے اور افسوس کے ساتھ لوٹتے ہیں کہ کیوں وہ طاغوت کی عدالت میں گئے اور ان پر ظلم ہوا۔ اگر وہ اپنا مقدمہ اسلامی عدالت میں لاتے تو انصاف ہوتا۔

بعض اوقات ان پر یہ مصیبت اللہ کی جانب سے بطور ابتلاء آتی ہے تاکہ وہ غور و فکر کر کے ہدایت قبول کر لیں ـ بہرحال جو صورت بھی ہو' قرآن کریم استفہام انکاری کی صورت میں سوال کرتا ہے کہ اس وقت ان کا حال کیا ہوتا ہے کہ یہ لوگ پھر لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں ـ

(يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا (٤ : ٦٢)) "خدا کی قسم ہم تو بھلائی چاہتے تھے' ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے ـ"

یہ نہایت ہی شرمناک صورت حال ہے ـ وہ لوٹتے ہیں اور ان کو شعور ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت ہی برا راستہ اختیار کیا ـ ان کی حالت شرمندگی سے ایسی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کا سامنا نہیں کر سکتے ـ لیکن قسمیں کھا کر اپنے اندرونی جھوٹے ارادوں کو چھپاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ درحقیقت طاغوت کی عدالت میں تو جانا نہیں چاہتے تھے مگر رواج کے مطابق فیصلے کرا کے فریقین کے درمیان صلح صفائی چاہتے تھے ـ یہ ان تمام لوگوں کا دعویٰ ہوتا ہے جو اسلامی نظام حیات سے پہلوتہی کرنا چاہتے ہیں ـ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ وہ مشکلات سے بچنا چاہتے ہیں ـ اگر شریعت کے قانون کو نافذ کر دیا گیا تو ایک مصیبت آ جائے گی ـ لوگوں کے درمیان مخالفت پیدا ہو جائے گی حالانکہ یہ لوگ تمام طبقات کے درمیان توازن چاہتے ہیں ـ یہ حیلے بہانے ان لوگوں کے ہوتے ہیں جو دعوائے ایمان تو کرتے ہیں لیکن مومن نہیں ہوتے ـ اس قسم کے دلائل تو منافقین کے ہوتے ہیں اور ہر دور میں منافقین نے یہی کہا ہے ـ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر سے ان کو چھپانے والی اس چادر کو اتار پھینکتے ہیں اور حضرت نبی کریم ﷺ کو اطلاع فرماتے ہیں کہ اللہ ان جیسے لوگوں کی حقیقت قلبی اور ان کے اندرون سے واقف ہے ـ لیکن اس کے باوجود اللہ کا حکم یہی ہے کہ ان جیسے لوگوں کے ساتھ سختی نہ برتی جائے بلکہ ان کو نصیحت کی جائے کہ وہ اس قسم کے ہیر پھیر سے باز آ جائیں ـ

(اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا (٤ : ٦٣)) "اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' ان سے تعرض مت کرو' انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے ـ"

یہ لوگ وہ ہیں جو اپنی نیتوں اور اپنے اندرونی ارادوں کو چھپانا چاہتے ہیں اور جھوٹے دلائل اور غلط عذر پیش کرتے ہیں لیکن اللہ ان کے دلوں کی پوشیدہ باتوں سے بھی واقف ہے اور ان کے ضمیر کے اندرونی حالات سے بھی باخبر ہیں ـ لیکن جو پالیسی اسی وقت طے شدہ تھی وہ یہ تھی کہ منافقین سے چشم پوشی کی جائے' ان کے ساتھ نرمی برتی جائے اور وعظ و نصیحت اور تعلیم و تربیت سے کام لیا جائے .... اس مقصد کے لئے عجیب انداز کلام اختیار کیا گیا ہے ـ (وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا (٤:٦٣)) "اور ان کو اس قدر بلیغانہ انداز میں سمجھاؤ کہ بات ان کے دل میں اتر جائے ـ" یہ نہایت ہی مصورانہ انداز تعبیر ہے ـ گویا بات براہ راست ان کے دل میں رکھی جا رہی ہے اور وہ بات وہاں بیٹھتی جا رہی ہے ـ

اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی طرف مائل کرتے ہیں تاکہ وہ سیدھی راہ پر آجائیں اور اللہ اور رسول کی پناہ میں امن و سکون کی زندگی بسر کریں۔ اگرچہ انہوں نے یہ کوشش کی کہ وہ طاغوت کی عدالت سے فیصلے کرائیں اور یہ بات ان سے ظاہر بھی ہو گئی۔ انہوں نے حضور سے فیصلہ کرانے سے پہلوتہی اختیار کی حالانکہ ان کو اس کی جانب بلایا گیا تھا۔ لیکن ان سب کوتاہیوں کے باوجود توبہ کا دروازہ کھلا ہے' اور واپسی کا وقت ختم نہیں ہوا ہے اور وہ اب بھی اللہ اور رسول اللہ ؐ سے معافی طلب کرسکتے ہیں۔ رسول اللہ کی جانب سے ان کے لئے استغفار قابل قبول ہے لیکن یہ استغفار تب قابل قبول ہو گی جب اصولی بات مان لی جائے اور وہ بات یہ ہے کہ رسولوں کو محض اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں ورنہ پھر رسالت کا مطلب کیا ہوا۔ نیز یہ کہ رسول محض واعظ نہیں ہوتا اور نہ محض مرشد ہوتا ہے۔

(وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

"(انہیں بتاؤ کہ) ہم نے جو رسول بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے' اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا' تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے (۴ : ۶۴))

یہ ایک وزن دار حقیقت ہے۔ رسول محض واعظ نہیں ہوتا کہ وہ ایک تقریر کرے اور چلا جائے اور اس کی تقریر ہوا میں تحلیل ہو جائے۔ اس کی بات کے اندر اور اس کی پشت پر کوئی قوت نافذہ نہ ہو جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں جو اس دین کے مزاج اور رسالت کے مزاج کو دھوکے سے بدلنا چاہتے ہیں یا جس طرح ان لوگوں کی رائے ہے جو سرے سے الدین کے لفظ کا مفہوم تک ہی نہیں جانتے۔

بے شک دین نظام حیات کا نام ہے' واقعی اور عملی نظام حیات کا نام' جس کی اپنی انتظامی' عملی اور قانونی ہیئت ہوتی ہے اور جس کے اپنے انداز اور اپنی اقدار ہوتی ہیں۔ اس کے اپنے اخلاق و آداب ہوتے ہیں اور اس کے اندر مراسم عبودیت اور دینی شعائر ہوتے ہیں۔

یہ تمام باتیں یہ تقاضا کرتی ہیں کہ رسالت کے ساتھ حاکمیت بھی ہو۔ ایک نظام مملکت بھی ہو جو اس نظام اور دین کو نافذ کرے اور عوام الناس اس حکومت کے مطیع فرمان ہوں جن کے اندر یہ نظام نافذ ہو۔ یہ اللہ کا وہ نظام ہے جس کے تصرف میں اللہ نے پوری زندگی دینے کا ارادہ کیا ہے اس لئے کہ اللہ نے جتنے رسول بھی بھیجے ہیں صرف اس لئے بھیجے ہیں کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے' پس ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت شمار ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اس لئے نہیں بھیجا کہ لوگ ان سے کچھ وجدانی تاثرات لیں اور بعض امور کا عقیدہ رکھیں یا ان سے کچھ مراسم عبودیت سیکھ لیں اور بس۔ فہم دین کے بارے میں یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ دین کا یہ فہم اس حکمت کے مطابق نہیں ہے جس کے مطابق اللہ نے رسولوں کو بھیجا ہے اور وہ حکمت اور مقصد صرف یہ ہے کہ واقعی اور عملی زندگی کے اندر اسلامی نظام نافذ کیا جائے۔ ورنہ وہ "دین" تو کس قدر آسان دین ہے جس میں رسولوں کے فرائض صرف اس قدر ہوں کہ وہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر تقریر

کریں اور چلے جائیں ۔ جس سے مذاق کرنے والے مذاق کریں اور حقیر سمجھنے والے حقارت کی نظر سے دیکھیں ۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ اس حکمت کا مظہر رہی ہے ۔ اس میں دعوت و تبلیغ تھی، وہ نظام زندگی اور اسلامی حکومت تھی، اور رسول اللہ ؐ کے بعد تاریخ خلافت تھی ۔ یہ خلافت شریعت کی قوت اور نظام کے بل بوتے پر قائم تھی اور اس نظام کا قیام مقصد اصلی تھا اور شریعت کا نفاذ اس خلافت کا مقصد تھا تاکہ رسول اللہ ؐ کی اطاعت دائماً ہوتی رہے اور اللہ کا وہ ارادہ پورا ہو جس کے لئے اس نے رسول مبعوث فرمائے ۔ اس کے سوا کوئی اور صورت حال نہیں ہے جسے ہم اسلام کہہ سکیں یا اسے ہم دین کہہ سکیں ۔ اگر اسلام اور دین ہو گا تو اس میں رسول کی اطاعت بشکل نظام زندگی ہو گی، چاہے اس اطاعت کی صورتیں قدرے مختلف کیوں نہ ہو جائیں لیکن اصلیت ایک ہونا چاہئے ۔ اس کے بغیر اسلام اور دین کی حقیقت نہیں پائی جا سکتی ۔ اسلامی نظام کی اطاعت، رسول اللہ ؐ کے نظام کو بروئے کار لانے، اللہ کی شریعت کے مطابق عدالت کرنے اور رسول نے اللہ کی جانب سے جس چیز کی تبلیغ کی اس کی اطاعت کرنے اور صرف اللہ وحدہ کو حاکم سمجھنے مطابق مفہوم ۔ (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) اللہ کے سوا کسی اور کو حاکیت میں اللہ کا شریک نہ کرنے میں ہے جس میں قانون سازی کا حق اہم ترین حق ہے ۔ پھر طاغوت کی عدالت میں مقدمات نہ لے جانا چاہئیں خواہ معمولی مقدمہ ہو یا بڑا ہو، اور جن مسائل میں کوئی نص نہ ہو، ان میں اللہ اور رسول اللہ ؐ کی طرف رجوع کرنا ۔ خصوصاً ایسے حالات میں جو دور جدید میں نئے نئے درپیش ہوں اور ان میں اختلاف رائے ہو ۔

جن لوگوں نے طاغوت کے پاس جاکر اپنے مقدمات کے فیصلے کرانے کی سعی کی ہے اور اسلامی منہاج سے دور ہو گئے ہیں، ان کے لئے اب بھی موقع ہے کہ وہ واپس آجائیں جس طرح حضور اکرم ؐ کے دور میں منافقین کے لئے موقع تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ ترغیب دے رہے تھے ۔

(وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (٤ : ٦٤))

”اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کرتا، تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے ۔“

کوئی جس وقت بھی توبہ کرے اللہ بخشنے والا ہے، کوئی کسی وقت بھی لوٹے اللہ رحیم و کریم ہے ۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ اپنے لئے ذکر کرتے ہیں، جو لوگ اس کی بارگاہ تک واپس آجاتے ہیں، اس سے معافی مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتے ہیں اور ان پر رحمت فرماتے ہیں ۔ ابتداء میں اس آیت کا اطلاق جن لوگوں پر تھا، ان کو رسول خدا ؐ کی طرف سے طلب مغفرت کے مواقع حاصل تھے ۔ اگرچہ اب یہ مواقع نہیں ہیں لیکن اللہ کی جانب سے توبہ و مغفرت کا دروازہ اب بھی کھلا ہے ۔ اللہ کا وعدہ قائم ہے ۔ اللہ کبھی اپنے وعدے کو نہیں توڑتے ۔ پس جس شخص کا ارادہ ہو وہ آگے بڑھے، جس کا عزم ہے وہ آگے آئے ۔

اب آخری اور فیصلہ کن انداز کی بات آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھاتے ہیں' اپنی ذات کی قسم کہ کوئی مومن اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ رسول اللہ ؐ کے پاس اپنے مقدمات فیصلے کے لئے نہیں لے جاتا۔ اس کے بعد' جب رسول فیصلہ کر دے تو وہ اس فیصلے کو تسلیم کر کے اس پر دل سے راضی نہیں ہو جاتا اور اس کی حالت یہ نہیں ہو جاتی کہ اس کے دل میں نہ تو کوئی تلخی ہے اور نہ اس کے دل میں کوئی تردد ہے۔

(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (٤ : ٦٥))

"اے محمد ؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں' پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں' بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔"

ایک بار پھر ہم شرط ایمان کے سامنے کھڑے ہیں' ایمان کی حدود ہمارے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فیصلہ فرماتے ہیں اور اس فیصلے پر اپنی ذات پاک کا حلف اٹھاتے ہیں' اس کے بعد اب کسی کے لئے کلام کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ اسلام کی شرط اور ایمان کی حدود کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔ اور اس کے جن الفاظ میں یہ نشاندہی کی گئی ہے ان میں کسی قسم کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہاں اگر کوئی خواہ مخواہ جھگڑا کرے تو اور بات ہے۔ اس کی بات میں کوئی وزن نہ ہو گا اور وہ بات یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حکم حضور کے زمانے کے لئے تھا۔ اور صرف صحابہ کرام کے لئے تھا..... اگر کوئی یہ تاویل کرتا ہے تو معلوم ہو گا کہ اس شخص کو اسلام کا کوئی پتہ نہیں ہے اور وہ قرآن کے انداز کلام سے واقف نہیں ہے' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جسے حلفیہ بیان کے ساتھ بتاکید مزید لایا گیا ہے' جس کے اندر زمان و مکان کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ نہ اس واہمہ کے لئے کوئی گنجائش ہے کہ رسول اللہ ؐ کے فیصلوں سے مراد آپ کی شریعت کے فیصلے ہیں۔ اگر یہی مفہوم لے لیا جائے تو حضور ؐ کے بعد آپ کی سنت اور آپ کی شریعت کا کوئی مقام نہ رہے گا۔ اور یہ قول تو ان لوگوں کا تھا جو عہد ابوبکر ؓ میں مرتد ہو گئے تھے۔ اور حضرت ابوبکر ؓ نے ان سے اس طرح جہاد کیا جس طرح مرتدین سے کیا جاتا ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ مرتدین سے بھی سخت رویہ اختیار کیا گیا اس لئے کہ انہوں نے صرف زکوٰۃ کے معاملے میں انکار کیا تھا اور آپ کی وفات کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی بند کر دی تھی۔

اگر اسلام کے لئے یہ کافی ہے کہ لوگ اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرائیں تو ایمان کے لئے اس سے بھی زیادہ شرائط ہیں مثلاً یہ کہ وہ ان فیصلوں پر دل سے راضی ہوں اور دل سے انہیں قبول کریں اور خوشی اور اطمینان سے ان پر راضی ہوں۔

یہ ہے اسلام اور یہ ہے ایمان۔ ہر کسی کو اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ وہ اسلام سے کس قدر دور ہے اور اس کے ایمان کا کیا حال ہے اور اس کے بعد وہ اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ سے اپنے فیصلے کرانے ' اور پھر آپ جو فیصلہ فرمائیں اس کو بطیب خاطر قبول کرنے کے بعد اب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نظام جس کی طرف تمہیں دعوت دی جا رہی ہے ' اور یہ شریعت جس کے مطابق تمہیں اپنے فیصلے کرانے کا حکم دیا جاتا ہے (اور اس کے سوا کسی اور قانون کے مطابق فیصلے کی اجازت نہیں ہے) اور یہ فیصلے جس پر راضی برضا ہونا ضروری ہے ' یہ نظام دراصل نہایت ہی آسان ' سیدھا اور منصفانہ اور رحیمانہ نظام ہے - یہ نظام تمہیں تمہاری طاقت سے زیادہ کسی چیز کا حکم نہیں دیتا ' اور نہ تم پر کوئی ایسی مصیبت لاتا ہے جو تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو ' اور نہ تم سے کسی ایسی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے جو تم سے نہ دی جا سکے - اس لئے کہ انسان کی ضعیفی اللہ کی نظر میں ہے - وہ ان کی کمزوری کی وجہ سے ان پر بہت ہی رحم فرماتا ہے - اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ اگر انسانوں پر بھاری فرائض عائد کئے گئے تو وہ انہیں ادا نہ کر سکیں گے - اس لئے اللہ نے یہ ارادہ ہی نہیں کیا کہ انسانون پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے اور نہ اللہ کا ارادہ تھا کہ لوگ معصیت کا ارتکاب کریں - اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھاری احکام ان پر فرض ہی نہیں کئے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ لوگ معصیت پر اتر آئیں - اگر لوگ ان آسان فرائض پر عمل پیرا ہوتے جو اللہ نے ان پر فرض کئے تھے ' اور اس نصیحت سے فائدہ اٹھاتے جو اللہ تعالیٰ ان کے لئے نازل کر رہے ہیں تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں عظیم بھلائی جمع کر لیتے - اللہ تعالیٰ راہ ہدایت پر آنے میں ان کی امداد فرماتے ' اور یہ اللہ کی سنت ہے کہ جو شخص بھی اپنے عمل ' ارادہ اور عزم بالجزم سے اللہ کی راہ میں سعی کرے اپنی طاقت کے حدود کے اندر ' تو اللہ اس کی پوری پوری معاونت کرتا ہے -

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا
مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ
بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾

" اگر ہم نے انہیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے کم ہی آدمی اس پر عمل کرتے ' حالانکہ جو نصیحت انہیں کی جاتی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے اور انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتے - "

اسلام ایک ایسا نظام زندگی ہے جس پر ہر وہ شخص عمل کر سکتا ہے جو مستقیم اور سلیم الفطرت ہو ' اس پر عمل کرنے کے لئے کسی خارق العادت عزم اور کسی بڑے اولوالعزم شخص کی ضرورت نہیں ہے - ایسے لوگ تو دنیا میں چند ایک ہوتے ہیں اور اسلامی نظام حیات ان چند لوگوں کے لئے نہیں بھیجا گیا - یہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہے ' اور دنیا میں ہر قسم

کے لوگ پائے جاتے ہیں جو مختلف درجات کے ہوتے ہیں۔ بعض کی طاقتیں اور صلاحیتیں زیادہ ہوتی ہیں اور بعض کی کم۔ یہ دین لوگوں کی اوسط تعداد کو مدنظر رکھ کر بھیجا گیا ہے' جو احکام پر عمل کر سکتے ہیں اور معاصی سے رک سکتے ہیں۔

قتل نفس اور جلاوطن دو ایسے احکام ہیں جو نہایت ہی شاق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر یہ چیزیں بطور احکام و فرائض عائد کر دیتا تو ان احکام پر لوگوں کے لئے عمل کرنا مشکل ہو جاتا۔ لیکن اللہ نے یہ احکام اس لئے عائد نہیں کئے گئے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو شکست دینا نہیں چاہتا تھا اور یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ لوگ ان احکام سے انکار کر دیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ سب لوگ احکام الٰہی پر عمل کریں۔ احکام ایسے ہوں جو سب کے دائرہ قدرت میں ہوں۔ قافلہ ایمان کے اندر تمام اوسط درجے کے لوگ بھی شامل ہوں اور یہ کہ اسلامی سوسائٹی میں مختلف طبقات کے لوگ' مختلف ہمتوں کے لوگ' مختلف استعدادوں اور صلاحیتوں کے لوگ شامل ہوں۔ یہ سب لوگ مل کر اسلامی سوسائٹی کو ترقی دیں۔ اور ایک ایسے کثیر التعداد قافلے کی شکل میں جو طویل و عریض ہو۔

ابن جریج' اسحاق ابوالازہر' اسماعیل' ابو اسحاق کی سند سے ابو الحاق کہتے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ (وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (٤: ٦٦)) تو ایک شخص نے کہا اگر اللہ حکم دیتا تو ہم ضرور ایسا کرتے لیکن اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں معاف کر دیا۔ یہ بات حضرت نبی اکرم ؐ تک پہنچی تو آپ ؐ نے فرمایا: "میری امت میں ایسے لوگ ہیں کہ ان کے دل میں ایمان ان پہاڑوں سے بھی زیادہ بیٹھا ہوا ہے جو نہایت ہی اونچے ہیں۔"

ایک دوسری روایت ابن ابو حاتم نے حضرت مصعب سے روایت کی ہے۔ انہوں نے اپنے چچا عامر بن عبید ابن زبیر سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

(وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ (٤: ٦٦))

رسول اللہ ؐ نے فرمایا: "اگر یہ حکم نازل ہوتا تو ابن ام عبد ان میں سے ہوتا۔" انہوں نے ایک روایت شریح ابن عبید سے نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں' جب حضور ؐ نے یہ آیت پڑھی۔ (وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (٤: ٦٦)) تو رسول اللہ ؐ نے عبداللہ ابن رواحہ ﷺ کی طرف اشارہ فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ یہ فرائض عائد کرتا تو یہ ان قلیل لوگوں میں سے ہوتے۔"

رسول اللہ ؐ اپنے ساتھیوں کو نہایت ہی گہرائی سے اور نہایت ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کے خصائص اور صلاحیتیں آپ ؐ کی نظر میں اس قدر درست تھیں کہ وہ خود بھی اپنے بارے میں اس قدر نہ جانتے تھے۔ حضور اکرم ؐ کی سیرت میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے حضور اکرم ؐ کی یہ صلاحیت اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کے بارے میں گہری معلومات رکھتے تھے۔ نیز حضور کو ان قبائل کی صلاحیتوں کا بھی علم تھا جن سے آپ برسر پیکار تھے۔ آپ ایک بصیرت افروز قائد کی طرح اپنے ماحول سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور بعض اوقات یہ معلومات

نہایت ہی معجزانہ ہوتی تھیں ۔کیونکہ یہ لدنی علم پر مبنی تھیں ۔

اس جگہ ہمارا یہ موضوع نہیں ہے ' یہاں ہم جو کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ؐ کو معلوم تھا کہ آپ کے ساتھیوں میں اور آپ کی امت میں ایسے لوگ ہوں گے ' جو ناقابل برداشت مشکلات کو برداشت کریں گے ۔ اگر یہ مشکلات ان پر فرض کر دی جائیں لیکن آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ صرف ان چند ممتاز لوگوں کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے ۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیدا کئے ہوئے انسان کی فطرت کے بارے میں اچھی طرح علم تھا ' اس کی محدود طاقت کا بھی اسے علم تھا ' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس دین کے احکام میں وہی کچھ فرض کیا جس پر سب لوگ عمل کر سکتے تھے ' اس لئے کہ یہ دین سب کے لئے آیا تھا ' بشرطیکہ کسی کے اندر عزم ہو ' اس کی فطرت معتدل ہو ' اور اس کے اندر اطاعت کا داعیہ ہو اور وہ اس دین کو مذاق اور غیر ضروری نہ سمجھتا ہو ۔

اس حقیقت کا ذہن نشین کرنا بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ خصوصاً ان تخریبی تحریکات کے حوالے سے جن کی دعوت یہ ہے کہ انسان مرتبہ حیوانیت تک اتر آئے اور وہ نفسانیت کے کیچڑ میں کیڑے کی طرح لت پت ہو ۔ اس کے لئے یہ لوگ دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہی انسان کی حقیقی صورت حالات ہے اور یہی اس کی طبیعت 'فطرت اور اس کی طاقت ہے اور یہ کہ دین تو اس مقام کی طرف دعوت دیتا ہے جو ایک مثالی مقام ہے ' جس کا اس کرۂ ارض پر حقیقت کا روپ اختیار کرنا نہایت ہی مشکل ہے ۔ اگر کوئی ایک فرد دین کے فرائض پر عمل پیرا ہو بھی جائے تو سو عمل پیرا نہیں ہو سکتے ۔

یہ نہایت ہی جھوٹا دعویٰ ہے ۔ یہ فریب پر مبنی ہے ۔ یہ جہالت پر مبنی ہے ۔ اس لئے کہ یہ مدعی انسان کو اس طرح نہیں سمجھ سکتا جس طرح اس کو خالق رب العالمین سمجھتا ہے ۔ جس نے اس کے لئے دینی فرائض مقرر کئے ۔ وہ ذات خالق یہ جانتی ہے کہ یہ احکام اس کے دائرہ خدمت میں ہیں ۔ اس لئے کہ دین چند ممتاز لوگوں کے لئے تو نہیں بھیجا گیا ۔

یہ تو صرف عزم کی بات ہے ' ایک عام آدمی کی عزیمت ' اخلاص نیت اور کام کے آغاز کی بات ہے اور جب عزم ' نیت اور آغاز ہو جائے تو ۔

(وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا (٦٦) وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا (٦٧) وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (٦٨)

"حالانکہ جو نصیحت انہیں کی جاتی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے اور انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتے ۔"

صرف کام کے آغاز ہی سے اللہ کی طرف سے امداد شروع ہو جاتی ہے اور اس راہ پر گامزن ہونے کے لئے ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے جس کے بعد اجر عظیم نصیب ہوتا ہے ۔ اس کے بعد صحیح راستے کی طرف راہنمائی نصیب ہوتی ہے ۔

(صدق اللہ العظیم) کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو دھوکہ دے رہے ہیں ؟ کیا وہ ان سے وہ وعدہ کر رہے ہیں جو پورا نہ ہو ؟ بلکہ اللہ تو ان سے بہت ہی سچی بات فرماتے ہیں ۔ (وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا) (اللہ سے زیادہ سچا اور کون ہے)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اس دین میں آسانی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو چھوٹ دے دی جائے۔ یہ دین ایسا نہیں ہے کہ اس میں ہر طرف سے چھوٹ دی جاتی رہے اور پھر بھی وہ نظام حیات ہو۔ اس میں عزیمت بھی ہے اور رخصت بھی ہے۔ عزیمت تو اصل دین ہے اور رخصت بعض عارضی حالات کی وجہ سے ہے۔ ہمارے بعض مخلص لوگ جو لوگوں کو اس دین کی طرف بلاتے ہیں وہ ان کے سامنے رخصتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ ایک ایک رخصت تلاش کرتے اور اسے لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہے دین اور پھر وہ لوگوں کو کہتے ہیں دیکھو اس دین میں یہ یہ سہولتیں ہیں۔ بعض لوگ شیطان کی خواہشات یا عوام الناس کی خواہشات پوری کرنا چاہتے ہیں' وہ ایک سوراخ تلاش کرتے ہیں جہاں سے نکلا جا سکے اور پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ ہے دین۔

یہ دین درحقیقت نہ رخصتوں کا نام ہے اور نہ ہی عزیمتوں کا نام ہے۔ اس میں مجموعی طور پر دونوں چیزیں موجود ہیں اور یہ دین ایسا ہے کہ اگر ایک عام انسان اس پر عمل کے لئے عزم کرلے تو وہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ وہ اپنی حدود بشریت کے اندر رہتے ہوئے اس کے اندر ذاتی کمال حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے ایک ہی باغ میں وہ انگور' شہتوت' انجیر خربوزہ' تربوز اور دوسرے پھل پیدا ہوتے ہیں اور سب کے ذائقے جدا ہوتے ہیں۔ کسی کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پختہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ پک گیا ہو' اگرچہ ایک کا ذائقہ دوسرے سے کم درجے کا ہو۔

اس دین کے باغ میں ساگ' ترکاری اور کھیرے ککڑی پیدا ہوتے ہیں۔ کینو اور انار پیدا ہوتے ہیں۔ سیب اور اخروٹ بھی پیدا ہوتے ہیں۔ انگور اور انجیر پیدا ہوتے ہیں اور سب کے سب پکتے ہیں۔ سب کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں اور سب پختہ ہوتے ہیں۔ اپنے اپنے درجے میں کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا اللہ کا کھیت ہے۔ اس میں انسان' اللہ کی تربیت میں اللہ کی نگرانی میں سہولت کے ساتھ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

اب آخر میں' اس سبق کے خاتمے پر ترغیب دی جاتی ہے' دلوں کے اندر جوش پیدا کیا جاتا ہے اور لوگوں کو محبوب مال و متاع کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ یہ دولت نبیوں' صدیقین' صالحین اور شہداء کے ساتھ ہم نشینی کی متاع ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾

"جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جاننے کے لئے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔"

یہ ایک ایسا سچ ہے جس سے تمام قلبی احساسات جاگ اٹھتے ہیں بشرطیکہ کسی دل میں بھلائی کا کوئی ذرہ موجود ہو' بشرطیکہ

نیکی کا کوئی بیج موجود ہو بشرطیکہ اس میں کسی باعزت مقام اور اللہ کے جوار رحمت میں داخل ہونے اور اللہ کی شان کریمی کی تلاش کا کوئی داعیہ ہو۔ یہ مجلس ایسے ہی اولوالعزم اور بلندیوں کے متلاشیوں کے لئے ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اس فضل وکرم کے مقام تک کوئی شخص صرف اپنی اطاعت شعاری اور اپنے عمل کے ذریعے نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ یہ تو صرف اللہ کا وسیع اور عمیق اور بھرپور فضل وکرم ہوتا ہے اور اس کا عمومی فیضان ہوتا ہے اور جس کی قسمت ہو اسے ڈھانپ لیتا ہے۔

یہاں مناسب ہے کہ ہم چند لمحے نبی ؐ کے صحابہ کی محفل میں گزاریں۔ یہ لوگ دنیا و آخرت دونوں میں حضور ؐ کی محفل کے مشتاق تھے۔ ان حضرات میں سے بعض تو ایسے تھے کہ وہ آپ کی جدائی کے تصور ہی سے پریشان ہو جاتے تھے' حالانکہ آپ ؐ اس وقت ان کے درمیان موجود تھے۔ اسی لئے یہ آیات نازل ہوئیں' جس سے ان کی محبت تروتازہ ہوگئی اور ان کا پاکیزہ جذبہ جوش میں آگیا۔ اور ان کی پاک و شفاف محبت اور پاک ہوگئی۔

ابن جریر نے حضرت سعید ابن جبیر سے روایت کی ہے۔ انصار میں سے ایک شخص آیا جو بہت ہی پریشان تھا۔ حضور ؐ نے فرمایا ''اے فلاں تم پریشان کیوں ہو؟ اس نے جواب دیا اللہ کے نبی میں ایک معاملے میں سوچ رہا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا تھا وہ؟ اس نے کہا وہ یہ تھا کہ ہم صبح و شام آپ سے آکر ملتے ہیں' آپ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہیں اور آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ کل آپ نبیوں کے ہاں چلے جائیں گے تو ہم آپ سے ملاقات نہ کر سکیں گے۔ حضرت نبی اکرم ؐ نے اس شخص کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں حضرت جبرائیل یہ آیت لے کر آئے۔

(وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ

(۴:۶۹)) نبی ؐ نے اس شخص کے لئے پیغام بھیجا اور اسے خوشخبری دی۔ حضرت ابوبکر ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ایک شخص نبی ؐ کے پاس آیا اور عرض کیا حضور آپ میرے لئے میری جان سے زیادہ محبوب ہیں' آپ میرے لئے میرے اہل خاندان سے زیادہ محبوب ہیں اور آپ میرے لئے میری بیٹیوں سے زیادہ محبوب ہیں اور جب میں گھر پہ ہوتا ہوں تو میں آپ کو یاد کرتا ہوں اور اٹھ کر آجاتا ہوں اور آپ کو دیکھ لیتا ہوں' صبر نہیں کر سکتا۔ جب میں اپنی موت اور آپ کی موت کے بارے میں سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ آپ جنت میں داخل ہو کر نبیوں کے گروہ میں داخل ہو جائیں گے اور میں اگر جنت میں چلا بھی جاؤں تو شاید آپ کو دیکھ نہ سکوں۔ اس شخص کے ان خدشات کا آپ نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

(وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ
وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۴:۶۹))

''جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ۔کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔''

صحیح مسلم نے ربیعہ کی حدیث نقل کی ہے 'فرماتے ہیں میں ایک رات نبی ؐ کے پاس تھا۔ میں نے آپ کو وضو کے لئے پانی اور دوسری ضروریات فراہم کیں تو حضور ؐ نے فرمایا: مانگو جو مانگتے ہو تو میں نے کہا کہ اے رسول خدا ؐ میں تو جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اس کے سوا کچھ اور؟ تو اس نے کہا بس صرف یہی۔ تو حضور ؐ نے فرمایا آپ کثرت سجود کے ذریعے اپنے نفس کے خلاف میری معاونت کریں۔

بخاری شریف میں متعدد طریقوں سے یہ روایت آئی ہے کہ ایک شخص ایک گروہ کو پسند کرتا ہے مگر ان سے ملاقات نہیں ہوتی تو اس کیا حال ہو گا؟ آپ نے فرمایا آدمی انہی لوگوں کے ساتھ ہو گا جن کو وہ محبوب سمجھتا ہے۔ یہی بات تھی' جس میں ان کے دل و دماغ ہر وقت مشغول تھے۔ محبت رسول اور آخرت میں صحبت رسول.... انہوں نے دنیا میں بھی صحبت رسول کا مزہ چکھا ہوا تھا۔ اور آج اس کا مزہ صرف وہی دل چکھ سکتا ہے جس کے اندر محبت رسول موجود ہو اور ہم لوگوں کے لئے اس آخری حدیث میں روشنی کی کرن' اطمینان کا سامان اور امید کی شمع نظر آتی ہے۔

---ooo---

درس ۳۶ ایک نظر میں

میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ اس سبق میں آیات کا جو مجموعہ دیا گیا ہے' وہ مدینہ کے ابتدائی دور میں غزوۂ احد کے بعد اور غزوہ خندق سے پہلے نازل ہوا ہو گا کیونکہ اس میں اسلامی سوسائٹی کی جو تصویر کشی کی گئی ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی تک پختگی کے مقام تک نہ پہنچی تھی۔ اس سوسائٹی میں مختلف قسم کے گروہ موجود تھے' جن میں بعض ناپختہ تھے اور بعض ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ایمان ہی نہ لائے تھے اور محض منافقت کر رہے تھے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سوسائٹی کو اپنی تعلیم و تربیت کی مزید ضرورت تھی اور اس سلسلے میں عظیم جدوجہد اور گہری توجہ کی ضرورت تھی۔ اسے اس عظیم مقصد کے لئے تیار کرنے اور وہ بوجھ اٹھانے کا اہل بنانے کی ضرورت تھی جو اسلام نے اس کے کاندھوں پر ڈال دیا گیا تھا' نیز اسلامی انقلاب کے لئے جس سطح کے لوگوں کی ضرورت تھی' اس سطح تک اس سوسائٹی کو بلند کرنا ضروری تھا۔ چاہے یہ تربیت اور اصلاح عقائد و تصورات کے میدان میں ہو' یا مخالف کیمپوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے میدان میں ہو۔

اور یہ جو ہم کہہ رہے ہیں کہ بعض لوگ ناپختہ تھے' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سوسائٹی میں نہایت ہی بلند معیار کے لوگوں کی کمی تھی۔ یہاں ہم اس وقت کی اسلامی سوسائٹی کو مجموعی طور پر لے رہے ہیں۔ اس سوسائٹی میں مختلف عناصر موجود تھے' لیکن سب ایک جیسے نہیں تھے۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت تھی کہ اس سوسائٹی کے تمام عناصر کو بلند سطح تک لانے کی سعی کی جائے تاکہ ان کے افراد کے درمیان مکمل ہم آہنگی پیدا ہو۔ اس بات کا اظہار ان آیات و ہدایات سے اچھی طرح ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ان ہدایات کے گہرے مطالعے سے ہمیں اس وقت کی مسلم سوسائٹی کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے اور جماعت مسلمہ کے ایسے خدوخال سامنے آتے ہیں جن میں یہ سوسائٹی ایک انسانی سوسائٹی نظر آتی ہے۔ اس کا یہ پہلو ہم اکثر اوقات نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس سوسائٹی میں ہمیں اعلیٰ معیار کی تربیت اور قوت بھی نظر آتی ہے اور اس میں بعض کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں۔ یہ بھی نظر آتا ہے کہ قرآن کریم انسانی کمزوریوں' جاہلیت کے باقی ماندہ آثار اور اسلام کے مخالف کیمپ کے ساتھ کس طرح معرکہ آرائی کرتا ہے اور یہ سب کام بیک وقت ہوتا ہے۔ ہم قرآن کریم کے انداز تربیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن عالم واقعہ میں زندہ انسانوں کے ساتھ معاملہ کرتا دکھائی دیتا ہے اور یہ بھی نظر آتا ہے کہ تربیت کے میدان میں قرآن کریم نے کس قدر کامیاب جدوجہد کر کے ایک ایسی سوسائٹی تخلیق کی جس کو جاہلیت کے معاشرہ سے لیا گیا تھا' جس میں مختلف درجات اور مختلف طبقات کے لوگ موجود تھے اور جس میں مختلف خصوصیات کے لوگ موجود تھے' قرآن نے انہیں اس قدر ہم آہنگ' اس قدر بلند' اس قدر متحد بنا دیا جس کا کامل رنگ حضور

ؐ کے آخری دور میں صاف نظر آتا ہے اور یہ اس قدر بلند اور کامل و مکمل سوسائٹی تھی جس سے آگے جانا انسانوں کے لئے ممکن نہیں ہے۔

کسی انسانی سوسائٹی' کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسانی نفس کے اندر کیا کیا صلاحیتیں ہیں' اور دنیا کی بہترین جماعت اور سوسائٹی میں ان کا ظہور کس شکل میں ہوتا ہے۔ وہ جماعت جس کی تربیت خود حضور ؐ نے فرمائی تھی اور یہ تربیت تھی بھی قرآنی منہاج کے مطابق۔

اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا منہاج تربیت کیا تھا اور یہ کہ قرآن کریم انسانی نفوس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا تھا۔ اس کا رویہ اس کے ساتھ کس قدر پر لطف تھا اور جماعت کے اندر مختلف سطح کے لوگوں کو اس نے کس طرح باہم متحد اور منسلک کر دیا تھا۔ ہم قرآن کریم کا مزاج تربیت دیکھتے ہیں اور ہمیں عالم واقعہ میں انسانی طبیعت کے مطابق یہ تربیتی نظام کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس سے ایک فائدہ ہمیں یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ ہم اپنے حالات اور دوسری انسانی سوسائٹیوں کے حالات کا مقابلہ اس انسانی جماعت سے کریں جو اللہ نے برپا کی ہے۔ اس کے بعد ان سوسائٹیوں کی انسانی اعتبار سے جو اصل صورت حال تھی اس کا مطالعہ کریں تاکہ اپنی کوتاہیوں کو دیکھ کر دور جدید میں اصلاح حال سے مایوس نہ ہو جائیں اور اپنی اصلاح کے لئے کوشش کرنا ترک نہ کر دیں۔ یہ بھی نہ ہو کہ اسلام کی یہ پہلی سوسائٹی ہمارے تصورات میں کہیں محض خیالی سوسائٹی ہی نہ بن جائے اور ہم کہیں یہ سعی ترک نہ کر دیں کہ اس جماعت کے نقش قدم پر ہمیں چلنا ہے اور دور جدید میں ان جدید سوسائٹیوں کو موجودہ گراوٹ سے اونچا کر کے مقام بلند تک پہنچانا ہے۔

یہ عبرتوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔ اور ظلال القرآن میں زندگی بسر کر کے جب ہم یہ ذخیرہ اخذ کریں گے تو یہ ہمارے لئے بھلائی کا ایک عظیم سامان ہو گا۔

اس سبق میں دی گئی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی صفوں میں اس وقت درج ذیل قسم کے لوگ موجود تھے۔

(الف) ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے آپ کو جہاد میں پیچھے رکھتے تھے۔ اس سے دوسرے لوگوں میں بھی سستی پیدا ہوتی تھی۔ اور اگر وہ جہاد کو نہ جاتے اور گھروں میں صحیح و سالم رہتے تو اسے اپنے لئے کامیابی سمجھتے تھے جبکہ جہاد میں شریک ہونے والے مسلمانوں کو اس جہاد میں مشکلات اور تکالیف پیش آتیں۔ اسی طرح یہ لوگ اگر جہاد میں نہ جاتے اور مسلمانوں کو مال غنیمت مل جاتا تو ایسے لوگ محسوس کرتے کہ ان کو خسارہ ہو گیا کہ مال غنیمت میں سے ان کو حصہ نہ ملا۔ اس طرح یہ لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کو خریدتے تھے۔

(ب) ان لوگوں میں بعض مہاجرین بھی تھے جب یہ لوگ مکہ میں تھے اور ان پر مظالم ہوتے تھے تو وہ جوش دفاع اور بہادری کے جذبے سے یہ کہتے تھے کہ کاش انہیں جہاد کرنے اور جنگ کرنے کی اجازت ہوتی لیکن وہاں ان کے لئے جنگ کرنا بالکل بند کر دیا گیا تھا۔ اب مدینہ طیبہ میں جب جہاد کا حکم آگیا اور یہ کہا گیا کہ کفار کے ساتھ جنگ شروع کر دو تو یہ لوگ تمنا کرنے لگے کہ کاش ابھی اور مہلت ملتی اور جنگ کا حکم نہ آیا ہوتا۔

(ج) ان میں ایسے لوگ بھی تھے کہ اگر کوئی بھلائی نصیب ہوتی تو کہتے کہ یہ اللہ کا فضل ہے اور مصیبت آتی تو کہتے کہ

یہ مصیبت نبی ؐ کی ذات کی وجہ سے ہے۔ یہ بات وہ اس لئے نہ کہتے تھے کہ ان کا خدا تعالیٰ کی ذات پر پختہ ایمان اور بھروسہ تھا بلکہ وہ یہ باتیں اسلامی قیادت پر تنقید کرتے ہوئے کرتے تھے۔

(د) بعض ایسے لوگ بھی تھے کہ جو حضور ؐ کے سامنے اپنے آپ کو نہایت مطیع فرمان ظاہر کرتے مگر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے تو مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے اور اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کوئی اور بات کرتے۔

(ھ) بعض ایسے لوگ تھے جو افواہوں پر کان دھرتے تھے اور اسلامی صفوں میں انہیں پھیلاتے تھے۔ اس طرح وہ اسلامی محاذ میں بے چینی پیدا کر دیتے تھے حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ وہ بات کو ثبوت تک پہنچاتے یا خود اسلامی قیادت کی طرف رجوع کرتے۔

(ر) بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کو اس بارے میں شک تھا کہ آیا ان ہدایات کا مصدر اور منبع اللہ کی ذات ہے یا نہیں، وہ یہ سمجھتے تھے کہ بعض باتیں نبی ؐ اپنی جانب سے کرتے ہیں۔

(ز) بعض ایسے تھے جو منافقین کی جانب سے مدافعت کیا کرتے تھے جیسا کہ اگلے سبق کے شروع میں بعض نمونے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی کہ منافقین کے بارے میں جماعت مسلمہ دو گروہوں میں بٹ جائے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے اسلامی تصور اور تنظیم میں ابھی تک مکمل ہم آہنگی نہ تھی اور یہ لوگ قیادت کے فرائض اور ایسے معاملات میں قیادت کے ساتھ رابطے کی ضرورت کو اچھی طرح نہ سمجھتے تھے۔

یہ تمام عناصر جو اسلامی صفوں میں موجود تھے یہ منافقین کے گروہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ہی گروہ سے متعلق ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدینہ کی سوسائٹی میں یہ لوگ منافقین کے کئی گروہوں سے تعلق رکھتے ہوں یا ان لوگوں میں بعض ضعیف الایمان مسلمان بھی ہوں جن کی ایمانی حالت ابھی پختہ نہ ہوئی ہو۔ ان میں سے کچھ لوگ مہاجرین بھی ہو سکتے ہیں۔ بہرحال ایسے کئی گروپ اسلامی جماعت کے اندر موجود تھے اور یہ جماعت اس وقت مدینہ کے یہودیوں میں گھری ہوئی تھی، جبکہ مکہ میں وہ مشرکین کے نرغے میں تھی اور پورے جزیرۃ العرب میں یہ جماعت متربصین کے نرغے میں تھی جو انتظار کر رہے تھے کہ اس تحریک کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یہ جماعت مسلسل مسلمانوں کی صفوں کے اندر بے چینی پیدا کر رہی تھی۔ لہٰذا اندرونی صفوں میں تربیت و تطہیر کی ضرورت تھی اور لوگوں کو جہاد پر ابھارنے کی ضرورت تھی۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے یہ داخلی جہاد اور تربیت کس نہج پر کی۔ قرآن نے مسلمانوں کی صفوں سے مایوسی کو دور کیا اور جماعت کے ہر فرد کو مطمئن کر دیا۔ نہایت ہی گہرائی، دقت اور صبر کے ساتھ اور اس تحریک کے قائد حضرت محمد ؐ نہایت ہی صبر آزما حالات میں یہ تربیت فرما رہے تھے۔ ذرا اس کے نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) حکم دیا جاتا ہے کہ ہر وقت محتاط رہو۔ مجاہدین اور مومنین اکیلے نہ پھریں اور مہمات اور سرایا میں اکٹھے جائیں۔ یعنی سرایا اور دستوں کی شکل میں یا سب کے سب فوج کی شکل میں نکلیں۔ اس لئے کہ ان کے ارد گرد کے علاقے میں مختلف قسم کی دشمنیاں ہیں اور دشمن گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں جن کے اندر منافقین ہیں یا ایسے دشمن ہیں جن کو منافقین پناہ دے رہے ہیں۔ نیز یہودی بھی پورے جزیرۃ العرب کے دشمنوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں جو موقع کے انتظار میں ہیں۔

(ب) بعض لوگ جو جہاد میں پیچھے رہ جاتے تھے ان کی بھی یہاں ایک قابل نفرت تصویر نظر آتی ہے۔ ان کی ہمت

جواب دے گئی ہے وہ مفاد پرست ہیں اور نہایت ہی متلون مزاج ہیں اور حالات کے ساتھ بہت جلد یہ لوگ بدل جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حال پر تعجب ہوتا ہے کہ مکہ میں تو بہت ہی پرجوش تھے مگر اب جبکہ مدینہ میں جہاد فرض ہو گیا ہے تو وہ جزع و فزع کرتے ہیں۔

(ج) یہاں اللہ کی راہ میں مقاتلین کے لئے اللہ کی جانب سے وعدہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ اللہ انہیں اجر عظیم عطا کرے گا اور انہیں دو اچھے انجاموں میں سے ایک ضرور ملے گا۔ یعنی "اور جو شخص اللہ کی راہ میں قتال کرتا ہے اور مارا جاتا ہے' یا غالب ہو جاتا ہے تو دونوں صورتوں میں اللہ اسے اجر عظیم دے گا۔"

(د) قرآن کریم مقاصد کی بلندی 'اہداف کی پاکیزگی' اور کامرانی کے مقاصد کی نشاندہی بھی کرتا ہے جس کی وجہ سے جہاد و قتال فرض کیا گیا ہے کہ یہ "اللہ کے راستے میں 'ضعیف مردوں' عورتوں اور بچوں کی حمایت میں ہے' جو ہروقت یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس گاؤں سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی جانب سے کوئی ولی مقرر کر اور اپنی جانب سے ہمارے لئے کوئی مددگار بنا۔"

(ہ) پھر قرآن مجید ان مقاصد کی سچائی کو بھی ریکارڈ پر لاتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ ان کی پشت پر سند قوی ہے۔ اور ان مقاصد کا بر سر باطل ہونا بھی بتاتا ہے جن کے لئے کافر لڑتے ہیں اور ان کی سند بھی ضعیف ہے۔ "وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں 'پس تم شیطان کے دوستوں کے ساتھ لڑو' بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے۔"

(و) ان آیات میں قرآن کریم ان تصورات فاسدہ کا علاج بھی کرتا ہے جن کی وجہ سے دل و دماغ میں فاسد احساسات اور کردار میں فاسد اور ضعیف طرز عمل جنم لیتا ہے۔ اور یہ کام وہ غلط عقائد کی [illegible] کے ذریعے کرتا ہے۔ ایک تو حقیقت دنیا اور حقیقت آخرت کے بیان کے ذریعے کرتا ہے۔ "کہہ دیجئے دنیا کا سامان بہت ہی قلیل ہے اور آخرت ان لوگوں کے لئے بہت ہی خیر ہے جو متقی ہیں اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا۔" اور دوسری حقیقت موت اور مقررہ وقت کے اٹل ہونے کے بارے میں کہ انسان جس قدر بھی احتیاط کرے اور جس قدر بھی جہاد سے دور بھاگے' موت بہرحال اپنے وقت پر آپہنچتی ہے۔ "جہاں بھی تم ہو گے 'موت تمہیں پالے گی اگرچہ تم پختہ محلات میں بیٹھے ہو۔" پھر ان کے تصورات مسئلہ تقدیر کے بارے میں درست کئے جاتے ہیں کہ انسان کے عمل اور قضا و قدر کا تعلق کیا ہے۔ "اگر ان کو کوئی بھلائی نصیب ہو تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچے تو وہ کہتے ہیں یہ تمہاری جانب سے ہے۔ کہو سب کچھ اللہ کی جانب سے آتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ بات کو سمجھنے والے نہیں۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی ملے تو یہ اللہ کی جانب سے ہے اور اگر کوئی برائی تمہیں ملے تو یہ تمہارے نفس کی وجہ سے ہے۔"

(ز) قرآن کریم اللہ اور رسول ﷺ کے درمیان گہرے تعلق کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت تصور ہوتی ہے۔ پورے کا پورا قرآن مجید اللہ کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اس کے اندر پائی جانے والی مکمل وحدت فکر پہ غور کرو' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن ایک ہی منبع سے آیا ہے۔ "جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"..... کیا وہ قرآن کریم پر غور نہیں

کرتے 'اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کی جانب سے آتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف فکر پاتے ۔"

(ح) ان آیات میں ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ میں افواہیں پھیلانے والوں کو صحیح طریق کار اپنانے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ وہ طریق کار کسی بھی صحت مند جماعت کی قیادت اور تنظیم کے لئے مناسب ہے اور وہ یہ ہے کہ "اگر وہ کسی واقعہ کو رسول اللہ ؐ اور ان لوگوں کے پاس لاتے جن کے ہاتھ میں امور مملکت تھے تو جو لوگ اس سے صحیح نتائج اخذ کر سکتے تھے وہ ان کے علم میں آجاتا۔"

(ط) ان آیات میں اس غلط طریق کار سے انہیں ڈرایا جاتا ہے اور ان کو یاد دلایا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنا کرم کیا کہ ان کو ہدایت سے نوازا "اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم لوگ شیطان کے تبع ہوتے مگر کم لوگ۔

مدینہ کی اسلامی جماعت اور سوسائٹی کے جو حالات ان آیات میں بیان ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے اس جماعت کے اندر کس قدر انتشار اور بے چینی پیدا کر دی گئی تھی۔ان حالات میں جب نبی ؐ کو جہاد و قتال کا حکم ہوا تو آپ کو کس قدر ہمہ جہت اور مختلف قسم کی جدوجہد کرنا پڑی ہوگی۔جب ہم یہ سنتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی ؐ سے کہتے کہ وہ جہاد کریں اگرچہ وہ اکیلے ہوں اور یہ کہ اہل ایمان کو جہاد پر اکسائیں۔ آپ اپنی ذات ہی سے مسئول ہوں گے اور اللہ خود ہی معرکے میں حصہ لے گا۔"پس اے نبی ؐ تم اللہ کی راہ میں لڑو، تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے زمہ دار نہیں ہو۔ البتہ اہل ایمان کو لڑنے کے لئے اکساؤ، بعید نہیں کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے۔ اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔" اس انداز گفتگو سے اہل ایمان کے اندر بہت ہی زیادہ جوش پیدا ہوتا، اور ان کی ہمتیں بلند ہو جاتیں کیونکہ اس میں فتح و نصرت کی پوری امید بھی تھی، اور اللہ کی تائید اور اس کی قوت پر پورا یقین بھی۔

قرآن کریم اس جماعت کو لے کر متعدد میدانوں میں بر سر پیکار تھا۔پہلا معرکہ نفس انسانی کے اندر برپا تھا۔یہ معرکہ وساوس ، خواہشات نفسانی ، بدظنی ، غلط افکار ، جاہلی تصورات اور انسانی اخلاق کی کمزوریوں کے خلاف تھا۔ اگرچہ یہ کمزوریاں نفاق کی وجہ سے نہ ہوں بلکہ بشری کمزوریاں ہوں۔ قرآن کریم اس جماعت کو ایسی پالیسی کے ساتھ چلا رہا تھا کہ وہ قوت اور شوکت کے مقام تک پہنچ جائے۔پھر اس کے اندر ہر قسم کی ہم آہنگی اور یک جہتی پیدا ہو جائے۔اور یہ نہایت ہی دور رس اغراض و مقاصد تھے۔ اس لئے کہ اگر کسی جماعت کے اندر زور آور لوگ بھی ہوں تو بھی اسے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔اگر اس کی صفوں میں کمزور لوگ موجود ہوں۔تو جماعت کے اندر مختلف سطح کے لوگوں کے اندر مکمل تناسق اور مکمل یک جہتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خصوصا جب اسے مختلف قسم کے معرکوں سے سابقہ درپیش ہو۔

اس تبصرہ کے بعد اب مناسب یہ ہے کہ ہم اس سبق کی آیات پر تفصیلی بات چیت کریں۔

---ooo---